امن اور ترقی میں مذہب کا رول ☆

خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ،
وعلى آله وصحبه أجمعين .

حضرات ! خدا نے کرۂ ارض کی اس وسیع وعریض ، خوبصورت اور ہر طرح کی نعمت سے مالا مال بستی کو انسانیت کے لئے بسایا ہے، اس کائنات اور اس سے متعلق تمام چیزیں ہمہ وقت انسانیت کی خدمت میں مشغول ہیں، سورج اس کے لئے ہر دن روشنی کا انتظام کرتا ہے ، زمین اس کے قدموں میں بچھی ہوئی ہے اور اس کی غذائی ضرورت کے لئے بار بار اپنے سینے کا چاک ہونا اور پامال کیا جانا قبول کرتی ہے، درختوں کا کام یہ ہے کہ مزے دار پھل اور عطر بار پھول مہیا کرنے کے علاوہ آلودہ ہواؤں کو اس کے لئے صاف کریں ؛ تاکہ اسے آکسیجن کی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑے، بادل سمندر سے کھارے پانی کا ڈول بھر بھر کر اسے صاف کرتا اور شیریں بناتا ہے اور کھیتوں اور آبادیوں تک باران رحمت پہنچاتا ہے، سمندر کی متلاطم موجیں نہ جانے کتنی ساری آلودگیوں کو ہضم کرتی ہیں اور ان کی زہرناکی سے انسان کو محفوظ رکھتی ہیں، ہوائیں ہر وقت اس کے مفاد کے لئے دوڑ بھاگ میں لگی ہوئی ہے اور دنیا میں جتنے جاندار ہیں، وہ سب کسی نہ کسی پہلو سے اس کی خدمت میں مصروف ہیں، یہاں تک کہ جن جانوروں کی درندگی انسان کو لرزاں وترساں رکھتی ہیں، ان کا وجود بھی کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لئے فائدہ مند ونفع بخش ہی ہے، غرض کہ پوری کائنات انسان کی خدمت اور اس کے لئے عیش وراحت کی فراہمی میں مشغول ہے ؛ اسی لئے قرآن کا تصور یہ ہے کہ کائنات انسان کا معبود نہیں ہے ؛ بلکہ اس کی خادم ہے: ''**وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مِّنْهُ**''۔(الجاثیة:۱۳)

لیکن دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے بے حد ضروری ہیں، عیش وعشرت کے جتنے بھی وسائل حاصل ہو جائیں ، اگر یہ دو چیزیں اسے میسر نہ ہوں تو اس کی زندگی بے سکون اور اس کی آرزوئیں ناتمام رہتی ہیں : امن اور ترقی —— اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اس لئے بھی

☆ کلیدی خطبہ جو جشن ۲۵ سالہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو دہلی کے سیمینار منعقدہ علی گڑھ میں پیش کیا گیا۔

رب کعبہ کی عبادت کرنی چاہئے کہ اس نے عرب کے صحرا میں غذائی ضرورت اور کسی حکومت اور لا اینڈ آرڈر کا انتظام نہ ہونے کے باوجود امن کا انتظام فرمایا ہے ''فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ ، الَّذِيْ أَطْعَمَهُم مِّن جُوْعٍ وَ آمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ '' (قریش:۳-۴) خوف ودہشت سے حفاظت کا تعلق امن سے اور غذائی اشیاء کی فراہمی کا تعلق ترقی سے ہے، زندگی کے لئے مطلوب ساری سہولتیں اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہیں، مگر یہ دونوں نعمتیں وہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ارادہ اور کوششوں سے متعلق رکھا ہے اور انسان کو ایسی بصیرت اور صلاحیت عطا کی گئی ہے کہ اگر اس کی کوشش صحیح سمت میں ہو تو وہ ان کو حاصل کر سکتا ہے۔

حضرات ! حقیقت یہ ہے کہ امن کے قائم ہونے کا تعلق قیام عدل سے ہے، عدل کی تفصیل یہ ہے کہ زندگی گذارنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں، جن کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے: عدل، احسان اور ظلم، عدل کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کو اس کا حق پورا پورا دے دیا جائے اور خود اپنے حق سے زیادہ نہ لیا جائے، احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کا حق اس کے حصہ سے بڑھ کر دیا جائے اور خود اپنے حصہ سے کم لیا جائے یا اپنا حصہ نہیں لیا جائے، قرآن مجید نے ان ہی دونوں طریقہ کار کو درست اور قابل قبول قرار دیا ہے: ''إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ '' (النحل:۹۰) لیکن آئیڈیل طریقہ یہ ہے کہ انسان 'احسان' سے کام لے، جس کو بندے کے حقوق کے معاملہ میں 'ایثار' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے؛ چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ احسان کی تعریف کی گئی ہے، فرمایا گیا: اللہ احسان کرنے والے لوگوں کو پسند فرماتے ہیں ''وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ '' (آل عمران:۱۳۴) یہ بھی فرمایا گیا کہ جو لوگ احسان کا رویہ اختیار کریں، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر بدلہ اور انعام سے محروم نہیں کریں گے: ''إِنَّ اللهَ لاَ يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ '' (التوبۃ:۱۲۰) اس کے بالمقابل ''ظلم'' اسلام کی نظر میں بدترین گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہو سکتا، ناکامی ونامرادی ہی اس کا حصہ ہے: ''إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ '' (الانعام:۲۱) ظالموں کا انجام ہلاکت وبربادی ہے: ''هَلْ يُهْلَكُ إِلاَّ الْقَوْمُ الظَّالِمُوْنَ '' (الانعام:۴۷) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے : ''وَاللهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ '' (آل عمران:۵۷) قرآن پاک میں دوسو سے زائد مقامات پر مختلف جہتوں سے ظلم کی اور ظالموں کی مذمت فرمائی گئی ہے اور کم وبیش ایک درجن مقامات پر عدل کا اور تقریباً دو درجن مقامات پر احسان کا حکم دیا گیا ہے یا اس کی تحسین کی گئی ہے، جب معاشرہ میں عدل قائم ہوگا، لوگوں میں احسان کا جذبہ پیدا ہوگا اور ''ظلم'' کرنے والے ہاتھ تھام لئے جائیں گے تو یقیناً وہ معاشرہ امن کی دولت سے بہرہ ور ہوگا۔

حضرات گرامی ! اسلام نے مختلف جہتوں سے ایسی قانونی تدبیر کی ہے، جو امن قائم کرنے میں معاون ہو اور ظلم ونفرت کو روکنے کا ذریعہ بن سکے، عام طور پر جو چیز انسان کو ظلم وزیادتی پر آمادہ کرتی ہے، وہ ایک گروہ کا دوسرے گروہ کے مقابلہ احساس برتری میں مبتلا ہونا اور دوسرے کو اپنے مقابلہ میں حقیر سمجھنا ہے، مختلف ادوار میں دنیا

کی مختلف قومیں اس مرض کا شکار رہی ہیں، خود ہندوستان میں ذات پات کی بنیاد پر آبادی کی اکثریت ہزاروں سال بدترین ظلم و زیادتی کا شکار رہی ہے اور آج بھی اس کے اثرات باقی ہیں، جرمنی میں نازیوں کا احساس تفوق اور دوسری قوموں کے ساتھ ان کا سلوک سب کو معلوم ہے، بیس بائیس سال پہلے تک جنوبی افریقہ اور بعض دوسرے افریقی ممالک بدترین نسلی امتیاز کا شکار تھے، جن کی داستانیں سن کر کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے، شاید جور وظلم کے ان واقعات کو دیکھ کر درندے بھی شرمسار ہوئے ہوں گے، آج بھی دنیا میں نسل پرستی پر مبنی ایک مملکت ''اسرائیل'' کی شکل میں موجود ہے، جو صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو ارض فلسطین کا حقدار سمجھتی ہے، حد یہ ہے کہ اسی اُصول پر وہاں کی عدالتیں فیصلے کرتی ہیں، ماضی بعید میں اگر روم وایران اور بعض دیگر ممالک کی تاریخ دیکھی جائے تو نسلی تفریق کے اس تصور نے جس ظلم وجور کو جنم دیا تھا، اس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

قرآن مجید نے بنیادی طور پر اس فاسد فکر کی نفی کی ہے اور انسانی وحدت کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے نسلی بنیاد پر نہ کوئی انسان بالاتر ہے اور نہ کوئی کمتر :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَاء . (النساء:۱)

اور یہ کہ ہر انسان بحیثیت انسان قابل تکریم واحترام ہے ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ آدَمَ''۔(بنی اسرائیل:۷۰)

اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ فضیلت وشرافت کا معیار اکتسابی چیزیں ہیں نہ کہ اتفاقی چیزیں، یعنی انسان کا عمل، اس کی بہتر کوششیں، اس کے اچھے کارنامے اور اس کے بلند اخلاق وجہ فضیلت ہیں، نہ کہ یہ بات کہ وہ اتفاق سے کسی خاندان، کسی نسل یا کسی علاقہ میں پیدا ہوگیا، جس میں خود اس کے ارادہ واختیار اور جدوجہد کو کوئی دخل نہیں، دنیا میں جس وقت اسلام آیا، اس وقت دنیا کی اکثر قوموں کا حال یہی تھا کہ انھوں نے اتفاقات کو کسی گروہ کے باعزت ہونے کا معیار بنالیا تھا، جیسے اس کا عربی النسل ہونا، ایرانی ہونا، بادشاہ کے خاندان سے تعلق رکھنا، کسی خاص زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانا وغیرہ، اسلام اس سوچ کو بدلا اور اعلان کیا: ''إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ ''(الحجرات:۱۳) یہ ایک انقلابی فکر تھی جو اسلام نے انسانیت کو عطا کی اور آج دنیا میں جمہوریت اور مساوات کی جو باتیں کہی جارہی ہیں، وہ دراصل اس صدائے حق کی بازگشت ہے۔

حضرات ! ذات پات کی تفریق کے علاوہ دوسری چیز جو عدل وانصاف کو مجروح کرتی ہے اور جس سے بعض اوقات معاشرہ کا امن پارہ پارہ ہوجاتا ہے، وہ ہے مذہب کو اختلاف اور نفرت کی بنیاد بنانا، اور ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کا دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے بیر رکھنا —— اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دین حق تو ایک ہی ہے، جس کی بنیاد توحید پر قائم ہے، یہی دین ہے جس کی ہر عہد میں اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں نے

دعوت دی ہے؛ لیکن دین کے معاملہ میں تشدد درست نہیں، یعنی ایک شخص دوسرے کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ اس کے دین کو قبول کرلے ''لاَ إِکْرَاهَ فِیْ الدِّیْنِ قَد تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ''(البقرۃ:۲۵۶) بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ کسی شخص کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو اس لئے روک دیا جائے کہ وہ مسلمان نہیں ہوتا، اسی پس منظر میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

لَّیْسَ عَلَیْکَ هُدَاهُمْ وَلَکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَن یَشَاءُ وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلأنفُسِکُمْ وَمَا تُنفِقُوْنَ إِلاَّ ابْتِغَاء وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُوَفَّ إِلَیْکُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُوْنَ . (البقرۃ:۲۷۲)

ان لوگوں کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اورتم (ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے) جو کچھ مال خرچ کرتے ہو، وہ اپنے ہی لئے ، اور خرچ نہیں کرتے ہو؛ مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں ، اور جو بھی خرچ کروگے تم کو پورا پورا دیا جائے گا (یعنی اس کا اجر ملے گا) اور تم پر ظلم نہیں ہوگا۔

مذہب کی بنیاد پر کسی کی مال و جان کو نشانہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اُصولی بات فرمائی ہے کہ غیر مسلم بھائیوں کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہے ''**دماؤهم کدمائنا واموالهم کاموالنا**''(۱) یعنی جو حرمت کسی مسلمان کی جان ومال کی ہے، وہی غیر مسلموں کی جان مال کی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی ''معاہد'' یعنی ایسے غیر مسلم کو قتل کردیا، جس سے امن وآشتی کے ساتھ ایک ساتھ رہنے کا معاہدہ تھا، وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا ''**من قتل معاهداً لم یرح رائحة الجنة**''(۲) اسی طرح جیسے کسی مسلمان کی عزت وآبرو کا احترام واجب ہے، اسی طرح غیر مسلم کی عزت وآبرو کی بھی رعایت واجب ہے: ''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ ''(الحجرات:۱۱) اس بات کو بھی ضروری قرار دیا گیا کہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام کیا جائے ؛ چنانچہ غیر مسلم جن دیوتاؤں اور دیویوؤں کی پرستش کرتے ہیں، ان کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا گیا: ''لاَتَسُبُّوْا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِن دُوْنِ اللّٰهِ ''(الانعام:۱۰۸) کسی بھی قوم کی عبادت گاہ کے منہدم کرنے کو منع کیا گیا ہے؛ چنانچہ قرآن مجید نے جہاں عبادت گاہوں کے منہدم کرنے کی مذمت کی ہے، وہاں مسلمانوں کی مسجدوں سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے گرجوں کا ذکر فرمایا ہے، (الحج:۴۰) اس سے ظاہر ہے کہ عبادت گاہیں —— خواہ کسی مذہب کی ہوں —— ان کا احترام ملحوظ رکھنا چاہئے ، رسول اللہ ﷺ نے بنو نجران سے جو معاہدہ کیا، اس میں یہ صراحت فرمائی کہ ان کی عبادت گاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی اور نہ مذہبی اُمور میں

(۱) نصب الرایہ:۳۶۹/۴۔ (۲) بخاری عن عبداللہ بن عمرؓ، حدیث نمبر:۳۱۶۶۔

کوئی مداخلت کی جائے گی،(۱) عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حیرہ کا علاقہ فتح ہوا، اہل حیرہ کے لئے انھوں نے جو دستاویز تیار فرمائی، اس میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ ان کے چرچ اور گرجے منہدم نہیں کئے جائیں گے، امام ابو یوسفؒ نے اسے نقل کیا ہے۔(۲)

اسی طرح قرآن نے ایک کثیر مذہبی معاشرہ کے لئے جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر مذہبی گروہ اپنے عقیدہ کے مطابق عمل کرے اور دوسروں کے معاملہ میں دخل نہ دے؛ چنانچہ قرآن نے مشرکین مکہ کے سامنے صلح کا جو فارمولہ پیش کیا، وہ یہی تھا: ''لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ''(الکافرون:۶) ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ''لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ''(الشوریٰ:۱۵) ''ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال'' رسول اللہ ﷺ کی رواداری کا حال یہ تھا کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو ان کے مذہب کے مطابق اور ان کے قبلہ کی طرف رُخ کر کے مسجد نبوی ﷺ میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی،(۳) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی بیوی یہودی اور عیسائی ہو اور اس کے عقیدہ کے مطابق کسی خاص دن روزہ رکھنا واجب ہو تو مسلمان شوہر اسے روزہ رکھنے سے روک نہیں سکتا ہے، گو اس کی وجہ سے وہ جنسی استفادہ کے حق سے محروم ہوتا ہو،(۴) اسی طرح اگر وہ اپنے عقیدہ کے مطابق صلیب پہنے یا مسلمان شوہر کے گھر میں صلیب رکھے تو اسے یہ حق ہے، شوہر اس کو روک نہیں سکتا، (حوالۂ سابق) غرض کہ مذہب کے اختلاف کو نفرت، ظلم وزیادتی اور سلوک ورویہ میں تشدد کا ذریعہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرات ! امن وامان کو نقصان پہنچانے والی تیسری چیز معاشی نابرابری اور کسی گروہ کی اقتصادی محرومی بھی ہوتی ہے، آج ہمارے ملک میں نکسلائٹ تحریک کے فروغ پانے کا بنیادی سبب یہی ہے، سرمایہ دارانہ نظام دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر کے رکھ دیتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دولت مند اور دولت مند بنتا چلا جاتا ہے اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے، اسلام اس بات کا قائل تو نہیں ہے کہ جبراً سب کو معاشی اعتبار سے برابر کر دیا جائے؛ کیوں کہ یہ بات فطرت کے خلاف ہے، اسی غیر فطری طرز عمل کی وجہ سے اشتراکی نظام نے دم توڑ دیا؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو، اس کے ارتکاز کو روکا جائے اور سماج کے تمام لوگوں کی بنیادی ضروریات ضرور پوری کی جائیں، اسی لئے اسلام نے زکوٰۃ واجب قرار دی، قرآن مجید نے کہا کہ دولت مندوں کے مال میں ناداروں اور اپنی ناداری کی وجہ سے دستِ سوال پھیلانے والوں کا حق ہے: ''وَالَّذِيْنَ فِيْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ، لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ''۔(المعارج:۲۴-۲۵)

---

(۱) ابوداود، حدیث نمبر:۳۰۴۱۔ (۲) موسوعۃ الخراج:۱۴۳۔
(۳) احکام الذمۃ:۳۱۶/۱۔ (۴) احکام اہل الذمۃ:۳۱۶/۱۔

مزدوروں کے حقوق کو خاص طور پر اہمیت دی گئی، ایسی اُجرت مقرر کرنے کا حکم دیا گیا، جس میں مزدور قریب قریب اجر کے معیار پر اپنی بنیادی ضرورتوں کو پوری کرسکیں، جیسا کہ حضور ﷺ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا :

> وہ تمہارے بھائی ہیں، جن کو خدا نے تمہارے ماتحت رکھا ہے؛ لہٰذا خدا نے جس کے ماتحت اس کے بھائی کو کیا ہو، اس کو چاہئے کہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے، جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے، اس کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے، جو اس کے لئے دشوار ہو، اور اگر ایسے کام کی ذمہ داری سونپ ہی دے تو پھر اس کی مدد کرے۔(۱)

اس حدیث سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ مزدوروں کی اُجرت اتنی ہونی چاہئے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کو آجرین کے معیار پر پوری کرسکیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل وعیال کی بھی اسی سطح پر پرورش کرسکیں، حسب ضرورت خادم رکھ سکیں اور مکان بنا سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارا عامل (ملازم) بنے، اسے چاہئے کہ بیوی حاصل کرلے، خادم نہ ہو تو ایک خادم رکھ لے اور مکان نہ ہو تو ایک مکان حاصل کرلے۔(۲)

اگر دولت کی تقسیم اس درجہ نامنصفانہ ہو کہ ایک شخص کے پاس تو اپنی دولت کا حساب بھی نہ ہو اور دوسرا شخص فاقہ مستی پر مجبور ہو تو پھر بغاوت اور نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اس کا ضمیر اس کو للکارتا ہے کہ :

> جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
> اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ مزدور سے اس کی طاقت کے بقدر ہی کام لیا جاسکتا ہے، نیز یہ تاکید کہ وقت پر اس کی اُجرت ادا کی جائے، اس کے ساتھ باعزت سلوک کیا جائے، کاروبار میں اسے پارٹنر بنانے کی کوشش کی جائے، وغیرہ، ان سب باتوں کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ معاشی اعتبار سے معاشرہ عدل پر قائم ہو، کسی گروہ کا کا استحصال نہ کیا جائے اور کسی طبقہ کے ساتھ ظلم نہ ہو، اسی استحصال کو روکنے کے لئے اسلامی شریعت نے سود اور ذخیرہ اندوزی کو منع کیا ہے۔

یوں تو امن وامان کو پارہ پارہ کرنے والی اور بھی باتیں ہیں؛ لیکن ذات پات کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم، مذہب کی بنا پر تشدد ونفرت اور معاشی ناانصافی وہ باتیں ہیں، جو زیادہ تر امن کو خاکستر کرکے رکھ دیتی ہیں، اسلام نے ان تینوں شعبوں میں ظلم وانصافی کو روکنے پر خصوصی توجہ دی ہے، —— اس کے علاوہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علم پر کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں ہوسکتی، ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع فراہم ہونے چاہئیں ''**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**''(۳) عوام کو خود اپنے حکمراں منتخب کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے، اسلام میں

---

(۱) بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی۔ (۲) ابوداود، عن مستورد بن شداد۔ (۳) ابن ماجہ: ۲۲۴۔

آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، اسلام عوام کو حق دیتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کا احتساب کریں، ایک عام شہری کی طرح فرمانروائے مملکت کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاسکتا ہے، اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ حکمراں کے لئے صلاحیت اور اخلاق کا ایک معیار ہونا چاہئے، نہ یہ کہ چور، رہزن، قاتل اور زانی ۵۱ فیصد ووٹ لے کر ایوان اقتدار میں پہنچ جائیں اور عوام کے بارے میں فیصلے کرنے لگیں، ان ساری ہدایات کا مقصد سماج میں عدل کو قائم رکھنا اور عدل کے واسطہ سے امن کو قائم رکھنا ہے۔

حضرات ! جب معاشرہ میں امن قائم ہوگا، تمام لوگوں کو انسان ہونے کی حیثیت سے مساویانہ درجہ دیا جائے گا؛ انھیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی، دولت کی منصفانہ تقسیم ہوگی، ہر شخص کی بنیادی ضرورتیں مہیا ہوں گی اور سیاسی اعتبار سے قوم کو آزادی حاصل ہوگی تو پھر اعتدال اور استحکام کی فضا قائم ہوگی اور اس فضاء میں ترقی کی کوششیں بارآور ہوسکیں گی۔

'ترقی' ایک وسیع الجہات لفظ ہے، جس کا تعلق تعلیم وتحقیق اور ٹکنالوجی سے بھی ہے، صنعت وحرفت سے بھی ہے، معیشت سے بھی ہے اور اسلام نے ترقی کی ان تمام جہتوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی ہے؛ بلکہ ضرورت کے لحاظ سے بعض اُمور کی ترغیب دی گئی ہے اور بعض کا حکم دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے ہر شخص کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا، گویا آپ ﷺ نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے ''لازمی حق تعلیم'' کا تصور دیا، آپ ﷺ نے صنعت وٹکنالوجی کی حوصلہ افزائی کی اور فرمایا جو لوگ اس راہ میں آگے بڑھیں، اللہ انھیں پسند کرتے ہیں: ''**ان اللہ یحب المؤمن المحترف**''(۱) آپ ﷺ نے معاشی ترقی کے لئے تگ ودو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آدمی کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کے پاس دینے والا ہاتھ ہو نہ کہ لینے والا: ''**الید العلیا خیر من الید السفلی**''(۲) آپ ﷺ نے ہر علم نافع کی تحسین کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دُعاء فرمائی ہے اور ایسے علم کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے جو انسانیت کے لئے نفع کے بجائے نقصان کا سبب بن جائے اور اس سے پناہ چاہی ہے۔

لیکن انسانی سماج کے لئے صرف مادی ترقی کافی نہیں؛ بلکہ سب سے بڑی ضرورت اخلاقی ترقی ہے، اگر مادی وسائل حاصل ہوجائیں؛ لیکن انسان اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو تو یہ وسائل انسانیت کو نفع پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچ جانے کا سبب بن جاتے ہیں، آج قدم قدم پر اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، طب وعلاج ایک مقدس فن ہے؛ لیکن آج اس کی حیثیت محض ایک تجارت کی ہوگئی ہے، مریضوں کا استحصال کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ گویا انسان نے اپنے فریق مخالف پر فتح پالی ہے اور اب اس کا ایک ایک قطرۂ خون نچوڑ کر ہی دم لینا ہے، تعلیم ایک نہایت قابل احترام پیشہ ہے؛ لیکن آج یہ بھی بڑی حد تک تجارت کے رنگ میں رنگ گیا ہے، استاذ اور شاگرد کا رشتہ محبت وخیر خواہی

(۱) شعب الایمان، باب التوکل علی اللہ: ۱۲۳۷۔ (۲) بخاری، کتاب النفقات: ۵۰۴۰۔

اور ایثار و بے غرضی کی بجائے کسب زر اور خود غرضی کا ہوتا جا رہا ہے، سائنس وٹکنالوجی کی قوت کو ایسے ہتھیاروں کی تیاری پر استعمال کیا جا رہا ہے، جو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کو ہلاک کر سکیں، پیداوار کو اس لئے ضائع کر دیا جاتا ہے کہ اشیاء ضروریہ کی قیمتیں کم نہ ہو جائیں اور سرمایہ داروں کا نفع متاثر نہ ہو جائے، اعلیٰ ترین تعلیم یافتہ لوگ اور بلند ترین عہدوں پر فائز شخصیتیں بھی ایسے کرپشن میں مبتلا ہیں، جنھیں سن کر شرم آتی ہے، مگر افسوس کہ ملک وقوم کے غداروں کو کوئی شرمساری نہیں، ان کی بھوک اس درجہ بڑھی ہوئی ہے اور ان کی حرص ایسی اتھاہ ہے کہ شاید ہفت اقلیم بھی ان کے پیٹ نہ بھر سکے، یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ صرف مادی ترقی کو ترقی سمجھ لیا گیا ہے، ترقی کا پیمانہ صرف مادی وسائل میں اضافہ کو بنالیا گیا ہے، انسانیت، ایثار و بے غرضی، بھلائی کا جذبہ، انسانی ہمدردی، فرض شناسی اور اخلاقی قدروں کو ترقی کے تصور سے باہر کر دیا گیا ہے؛ حالاں کہ یہی ترقی اصل ترقی ہے، اگر ایک سماج معاشی اعتبار سے کم درجہ ہو، تعلیم میں بھی اس کی ترقی کم ہو؛ لیکن اخلاق کی دولت سے مالا مال ہو تو وہ سماج ایک پُرامن سماج ہوگا، وہ معاشرہ ایسا معاشرہ ہوگا، جس میں سارے لوگ قلبی سکون اور طمانینت کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے، نیز جو معاشرہ اس سے محروم ہو تو وہ دولت کی فراوانی، مادی وسائل کی بہتات اور علم کی حصول یابی کے باوجود ایک ایسا معاشرہ ہوگا، جس میں اضطراب ہوگا، سکون سے محرومی ہوگی، ایک دوسرے کے تئیں بے اطمینانی ہوگی، رقابت اور حسد کا جذبہ ہوگا اور حرص کی آگ بجھائے نہ بجھ سکے گی، علامہ اقبالؒ نے بندۂ مومن کے لئے کہا تھا :

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

انسان کی اخلاقی ترقی میں اگرچہ انسانی فطرت کا بھی حصہ ہے، تعلیم و تربیت کا بھی اور ماحول کا بھی؛ لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم رول عقیدہ و مذہب کا ہے؛ کیوں کہ مذہب بنیادی طور پر انسانی سوچ کو درست کرتا ہے، دل کی دنیا کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی سے انسان کا پورا رویہ متعلق ہوتا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے :

ان فی الجسد لمضغة ، اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت الجسد فسد کله ، ألا و هی القلب . (۱)

انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو اس کا پورا وجود درست ہوتا ہے، اور جب اس میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو انسان کے پورے وجود میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ قلب ہے۔

(۱) مسلم، کتاب المساقاۃ: ۱۰۷۔

حضرات ! دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں، اگر چہ ان کی بعض تعلیمات میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ انسان کا اصل جوہر اس کے اخلاق ہے اور اخلاق کی بنیاد بنی نوع انسان کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر برتاؤ ہے؛ اس لئے مادی ترقی اور معاشی تگ و دو کے اس عہد میں سب سے زیادہ جس ترقی کی ضرورت ہے، وہ ہے انسان کی اخلاقی ترقی، اور جس چیز نے انسانی معاشرہ کو بے سکون کر دیا ہے، وہ ہے انسانوں کا انسانیت سے محروم ہو جانا؛ اس لئے مذہبی قائدین کا فریضہ ہے کہ وہ آگے بڑھیں، سماج کو اخلاق اور انسانیت کی طرف بلائیں اور ایک ایسے معاشرہ کو فروغ دینے کی کوشش کریں، جو محبت اور پیار پر مبنی ہو، جس میں لوگوں کی سوچ بہتر ہو، جس میں ہر انسان کے سینے میں انسانوں کے لئے تڑپنے والا دل ہو، جو انسانیت کے لئے خیر خواہی اور بھلائی کو اپنی منزلِ مقصود بناتا ہو، جو دوسروں کے لئے وہی پسند کرتا ہو، جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اس طرح ایک ایسا سماج فروغ پا سکے گا جس میں عدل وانصاف ہو، امن ہو، مادی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانیت زندہ ہو اور اخلاقی بلندی لوگوں کے لئے عزت وشرافت کا معیار ہو، خدا کرے کہ یہ پروگرام اس سوچ کو اُبھارنے اور اس فکر کو پیدا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو اور ہمارا دیش نہ صرف اپنی سائنسی صلاحیت اور معاشی قوت کے اعتبار سے سپر پاور بنے؛ بلکہ وہ اخلاق وانسانیت کے لحاظ سے بھی سپر پاور بن جائے، کہ :

فرشتوں سے بڑھ کر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیاد

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين .

○ ○ ○